نئے سال کے لئے نئی قربانیوں کی ضرورت

(فرمودہ ۷/جنوری ۱۹۲۷ء)

تشہد تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

ہر نیا سال انسان کو نئے دور کی طرف توجہ دلاتا ہے اور نئی قربانیوں کے لئے متوجہ کرتا ہے۔ درحقیقت اگر غور کریں تو سالوں اور دنوں کی تعیین صرف ہماری یاد کے قائم رکھنے کے لئے ہے۔ سالوں اور دنوں کی تعیین سے ہماری یاد ایک دائرہ کے اندر محدود ہو سکتی ہے۔ ورنہ سال میں کوئی نئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ سال تو وقت کا ایک حصہ ہے اور وقت تقسیم ہونے کے قابل نہیں۔ وہ اپنی ذات میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ وہ مسلسل چلا جاتا ہے۔

پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نیا سال شروع ہو گیا ہے تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وقت میں کوئی تغیر ہو گیا ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہم اپنی یاد کو تازہ کرنے کے لئے ایک مقام پر یہ کہتے ہیں کہ آؤ ہم نئے سرے سے کام شروع کریں اور اس رنگ میں ہم کام کے نئے دور کا اظہار کرتے ہیں تاکہ ہمیں وقت کا احساس ہو اور وقت ضائع نہ ہونے دیں۔ اگر ہم یہ نہ کہیں کہ نیا سال شروع ہو گیا ہے تو وقت کا احساس نہ ہوتا۔ اور اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا۔ پس جب ہم سال کی یہ کہہ کر تقسیم کرتے ہیں کہ نیا سال شروع ہو گیا ہے تو اس کی صرف یہ غرض ہوتی ہے کہ وقت گذر رہا ہے اور وہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ اس لئے ہمیں پہلے سے زیادہ جدوجہد کرنی چاہئے۔ اس سے ہمارا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ وقت میں کسی قسم کی تبدیلی ہو گئی ہے۔ بلکہ یہ مقصد ہوتا ہے کہ ہم بدل رہے ہیں۔ وقت میں کسی قسم کا تغیر نہیں آجاتا۔ وہ تو آدم کے وقت بھی وہی تھا جو آج ہے۔ پس جو تغیر ہم بتانا چاہتے ہیں۔ اس سے وہ تغیر مراد ہوتا ہے جو ہمارے اندر شروع ہے۔ اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ نیا سال شروع ہو گیا ہے تو اس بات کی طرف توجہ دلانا مقصود ہوتا ہے کہ جس وقت

سے ہم نے فائدہ اٹھانا تھا وہ تو ہم کھو بیٹھے ہیں۔ اب باقی حصہ سے ہی ہم فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

اس ہفتہ کے دوران میں نیا سال شروع ہو گیا ہے۔ اس لئے اب غور کرنے کا مقام ہے کہ پچھلے وقت سے ہم نے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔ اور آئندہ وقت سے ہمیں کیا فائدہ اٹھانا چاہئے۔

میں اس وقت ایک تاریخی واقعہ کی طرف توجہ دلا کر فرائض کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے ایک جماعت قائم کی گئی تھی جو آخری جماعت تھی اور ایسے نبی کے ذریعے قائم ہوئی جو آخری نبی تھا۔ یعنی تمام شرائع اس پر ختم ہو گئی تھیں وہ کمالات نبوت کا خاتمہ اور کمالات انسانی کا آخری نقطہ تھا۔ نہ تو نبوت اپنے مقام میں اس سے آگے نکل سکتی ہے اور نہ کوئی انسان کسی کمال میں اس سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ وہ تمام کمالات میں سب سے آگے نکل جانے کی وجہ سے آخری نبی کہلایا۔ اور نہ صرف وہ اس وقت آخری نبی تھا بلکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے کہ وہ ہمیشہ کے لئے آخری نبی ہو گا۔ اور چونکہ وہ ہر آن ترقی کر رہا ہے اس لئے وہ کسی کے لئے روک نہیں بنا۔ نادانوں نے ناواقفی کی وجہ سے خیال کر لیا کہ وہ آئندہ کی ترقیات کے لئے روک بنا ہے۔ حالانکہ جب وہ کسی جگہ پر کھڑا ہی نہیں ہوا تو روک کیونکر بنا۔ روک تو وہ شخص ہوا کرتا ہے جو ایک جگہ پر کھڑا رہے۔ کیا تیز رفتار شخص بھی روک بنا کرتا ہے؟ پس اس نبی کو تو اللہ تعالیٰ نے ایسا رتبہ عطا کیا کہ وہ ہمیشہ ہر آن آگے ہی آگے چلا جا رہا ہے اور اس قدر تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ کوئی انسان اس سے آگے نہیں نکل سکتا۔ ایسے نبی کے ذریعہ سے ایک جماعت دنیا میں قائم ہوئی۔ اس جماعت میں تفرقہ پیدا ہوا اور فساد شروع ہوا۔ گو اس فساد کے بانی مبانی بعد میں آنے والے لوگ تھے۔ لیکن اس میں صحابہؓ کا بھی دخل تھا اور وہ دخل کسی فساد کی بناء پر نہیں تھا۔ کسی عناد کی نیت پر مبنی نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کی خدمت اور حفاظت کے لئے تھا۔ اس تفرقہ میں ایک طرف حضرت علیؓ تھے اور دوسری طرف حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ تھے۔ ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ ہم فساد اور تفرقہ کو مٹا دیں اور اسلام کی حفاظت کریں۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک جگہ یہ دونوں لشکر ملے تو حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کو یاد دلایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ لوگوں کو فرمایا تھا کہ تمہارا فلاں موقع پر کھڑا ہونا بہت برا ہو گا۔ جب حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی رسول کریمؐ کا یہ فرمان یاد آیا تو اسی وقت وہ میدان سے ہٹ گئے اور جنگ کا ارادہ چھوڑ دیا۔[1] اب دیکھو ایک زبردست لشکر کی کمان کرتے ہوئے رسول اللہؐ کے ایک فرمان یاد

دلانے پر میدان کو چھوڑ کر چلے جانا اتنے بڑے ایمان پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ دوسری طرف جب بعض شریروں نے جو بانی فساد تھے دیکھا کہ صلح ہونے لگی ہے۔ اور ہمارا مقصد ٹوٹنے لگا ہے تو سوچنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ آخر انہوں نے شرارت سے یہ منصوبہ کیا کہ حضرت عائشہؓ پر تیراندازی کریں جس سے پھر جنگ چھڑ جائے گی کیونکہ لوگ حضرت عائشہؓ پر تیر اندازی کو برداشت نہیں کریں گے۔ اور واقعہ میں بھی مسلمان یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ وہ عائشہؓ کہ جس کی رانوں پر رسول اللہ ؐ سر رکھ کر سوئے ہوں اور جس کی گود میں رسول اللہ ؐ نے وفات پائی ہو۔ اسے وہ تیروں کا تختہ مشق بنتی ہوئی دیکھیں۔ چنانچہ اس وجہ سے جب حضرت عائشہؓ پر تیراندازی شروع ہوئی تو مسلمان دوڑ کر حضرت عائشہؓ کے ہودج کے قریب ان کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے۔ جب جنگ شروع ہو جاتی ہے تو ہوش کہاں قائم رہ سکتے ہیں اور اصل بات معلوم کرنے کی کہاں ہوش رہتی ہے۔ جس وقت حضرت عائشہؓ پر حملے ہو رہے تھے۔ ایک قبیلہ عرب جو کئی سو کی تعداد میں میدان جنگ میں موجود تھا۔ وہ سارے کا سارا حضرت عائشہؓ کے گرد جمع ہو گیا۔ ان میں سے ایک ایک آگے بڑھتا اور حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی نکیل پکڑتا اور یہ شعر پڑھتا کہ جب ہم نے اپنی جسمانی ماؤں کو میدان میں کبھی اکیلے نہیں چھوڑا تو آج ہم اپنی روحانی ماں کو میدان میں کیونکر اکیلی چھوڑ سکتے ہیں اور کیونکر میدان سے بھاگ سکتے ہیں۔ اس وقت مالک[۲] جو میرے نزدیک فتنہ میں بہت بڑا حصہ دار تھا حضرت عائشہؓ پر حملہ کر رہا تھا۔ اور وہ عام لوگوں میں نیک خیال کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کا بھی اس کے متعلق اچھا خیال تھا۔ ممکن ہے کہ وہ طبیعت کا متقی ہی ہو۔ لیکن بعض ظاہری نیک اعمال کی وجہ سے اچھا خیال کیا گیا ہو۔ مگر تاریخ بتاتی ہے کہ بانیان فساد میں سے ایک یہ بھی تھا۔ تاریخ میں اس کے بہت سے جھوٹ ثابت ہیں۔ حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکانا بھی ثابت ہے۔ کم از کم میری عقل اس بات کو دیکھ کر کہ وہ شخص رسول اللہ ؐ کی حرمت پر حملہ کر رہا ہے اسے بزرگ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے تو یہاں تک معلوم ہے کہ حضرت مسیح موعود حضرت علیؓ کے متعلق یہ رائے رکھتے تھے کہ وہ حضرت عائشہؓ کی اور بھی خدمت کرتے (یعنی حضرت علی نے کافی حفاظت و خدمتگذاری نہیں کی) تو وہ شخص جو ان پر حملہ کر رہا ہو وہ کیسے بزرگ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ اور میرے اس خیال کی تصدیق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی کرتے ہیں جو اسلام میں پہلے مجدد ہیں۔

مالک جب حضرت عائشہؓ پر حملہ کرنا چاہتا تھا تو حضرت عبداللہؓ بھی میدان جنگ میں پہنچ گئے

جو حضرت عائشہؓ کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے مضبوط دل دیا ہوا تھا۔ وہ خاندان نبوت میں سے تھے جو سب کے سب بہادر تھے۔ اور یہ نوجوان بھی تھے۔ ان کے مقابل مالک بھی تجربہ کار اور قوی تھا اس لئے پہلے تو دونوں کا خوب مقابلہ ہوتا رہا۔ مگر جب تلواریں ٹوٹ گئیں تو کشتی شروع ہو گئی۔ حضرت عبد اللہؓ گو بہادر تھے لیکن جسم کے ہلکے تھے اور مالک طاقت میں زیادہ تھا اس لئے حضرت عبد اللہؓ جب طاقت میں اس کا مقابلہ نہ کر سکے تو ان کو مالک نے نیچے گرا لیا اب دونوں طرف کے لشکر خاموش کھڑے تھے۔ اور دونوں نے اپنے ہتھیار روکے ہوئے تھے۔ اس خیال سے کہ ان کے آدمی کو نقصان نہ پہنچے۔ اس وقت حضرت عبد اللہ کشتی لڑتے لڑتے شعر پڑھ رہے تھے۔ اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر رہے تھے۔ کہ ارے دوستو۔ دیکھ کیا رہے ہو۔ تم میری پرواہ نہ کرو مالک کو میرے ساتھ ہی قتل کر دو۔ یہ پرواہ نہ کرو کہ میں بھی مارا جاؤں، مگر اس مالک کو تو قتل کر دو۔ اس کا خاتمہ کر دو تاکہ اس کے خاتمہ سے فتنہ کا خاتمہ ہو جائے۔ اور اسلام سے فتنہ دور ہو جائے۔[۳] اس واقعہ سے ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مالک صحابہؓ کے درمیان فتنہ و فساد کا بانی مبانی تھا۔ دوسری بات اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ترقی کے لئے اور فتنوں کو دور کرنے کے لئے کبھی ایک شخص کا مارنا بھی بہتر ہوتا ہے۔ تفرقہ کے مٹانے کے لئے مفسد انسان کا مٹانا بھی ضروری ہوتا ہے۔ خواہ اس شخص کے مٹانے میں خود بھی مٹنا پڑے۔

دیکھو آج فتنہ دجال کا زمانہ ہے۔ اور اس فتنہ کی وجہ سے اسلام پر ایک بہت بڑی مصیبت وارد ہے۔ جو اس کو کھائے چلی جاتی ہے۔ اس لئے اس وقت ضرورت ہے کہ ایسی قوم اٹھے کہ جو حضرت عبد اللہؓ کی طرح پکارے کہ اگر کفر کو مٹاتے ہوئے ہم آپ بھی مٹ جائیں تو کوئی پرواہ نہیں۔ وہ قوم کہ جس کا یہ فرض ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی طرح پکارے وہ احمدی جماعت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو ابراہیم بھی کہا ہے۔ یعنی آپ کو حضرت ابراہیمؑ سے مشابہت دی ہے۔ یہ مشابہت اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ آپ کے روحانی فرزند بھی اسی طرح قربان ہونے کے لئے تیار ہوں جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسماعیلؑ تیار تھے۔ اب تلوار کا زمانہ نہیں رہا۔ دین کے لئے توپوں اور بندوقوں کا زمانہ نہیں۔ اب ایک اور قسم کی قربانی مسلمانوں کے لئے ہے۔ وہ یہ کہ لوگ بھوکے اور پیاسے رہ کر اسلام کو بلند کریں اور اس کو مضبوط کریں۔

بیماریاں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ بیماریاں ہیں جو فوراً انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں اور ایک وہ بیماریاں ہیں جو مزمنہ ہوتی ہیں جیسے تپ دق اور سل وغیرہ۔ ان امراض سے انسان کڑھ کڑھ کر مرتا ہے۔ اسی طرح ابتلاء بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک فوری کام کرنے والی امراض کی طرح اور ایک مزمنہ امراض کی طرح ہوتے ہیں۔ کبھی تو اللہ تعالیٰ تلوار کے ذریعے امتحان لیتا ہے۔ ادھر تلوار گردن پر پڑی اور اُدھر وہ مارا گیا۔ اور کبھی وہ مزمنہ امتحان لیتا ہے۔ جو لمبی موت کا امتحان ہوتا ہے۔ اس میں وہ چاہتا ہے کہ ہر روز تم پر موت وارد ہو۔ یہ امتحان اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے رکھا ہے اور یہی موت حضرت مسیح موعودؑ کو قبول کرنی پڑی۔ اسی واسطے آپ فرماتے ہیں۔ صد حسین است در گریبانم۔ یعنی حسینؓ تو ایک دفعہ تلوار کے نیچے آکر قتل ہوئے مگر میں ہر وقت خدا کے دین کے لئے قربان ہوتا ہوں۔ یہی قربانی اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت کے لئے مقرر کی ہے۔

اسلام کے مصائب و مشکلات یونہی نہیں دور ہو جائیں گے۔ وہ ایک قربانی چاہتے ہیں اور ہزاروں لاکھوں کی قربانی چاہتے ہیں۔ جب تک تمام افراد اس قربانی کے لئے تیار نہ ہوں گے اس وقت تک کبھی ہماری جماعت کو کسی قسم کی ترقی اور کامیابی نہیں مل سکتی۔ اسلام کی زندگی ہماری موت کو چاہتی ہے اور جو شخص اپنی زندگی چاہتا ہے وہ دوسرے لفظوں میں اسلام کی موت چاہتا ہے۔ اسلام آرام چاہتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنے لئے آرام چاہتا ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ اسلام کے لئے دکھ اور مصیبت چاہتا ہے۔ کیسا بدقسمت وہ شخص ہو گا جو اپنی زندگی اور آرام کو اسلام کی زندگی اور آرام پر مقدم کرے۔ بے شک نبی قوم کو زندہ کرنے آتے ہیں۔ مگر اس میں بھی شک نہیں کہ زندگی صرف یہی زندگی نہیں بلکہ ایک اور زندگی دینے کے لئے آتے ہیں جو موت قبول کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ نبی دنیا میں روحانی زندگی دینے کے لئے آتا ہے اور اس کے آنے سے روحانی سلطنت ملتی ہے۔

اس موقع پر میں ایک شبہ کا بھی ازالہ کرنا چاہتا ہوں جو پچھلے دنوں یہ شخص کی طرف سے مجھے پہنچا۔ وہ یہ ہے کہ قادیان میں قربانی کرنے کا اعلان تو کیا جاتا ہے لیکن خود قادیان کے لوگ قربانی نہیں کرتے۔ اگر تو اس سے یہ مطلب ہے کہ نسبتی قربانی نہیں کی جاتی تو یہ بالکل جھوٹ ہے۔ قربانیوں میں بھی تدریجی ترقی ہوتی ہے۔ اور اس تدریجی ترقی کے ماتحت ہی ہماری جماعت سے روزمرہ زیادہ سے زیادہ قربانیوں کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مثلاً پہلے دھیلا فی روپیہ چندہ تھا۔ پھر پیسہ فی

روپیہ پھر آنہ فی روپیہ اور اب ڈیڑھ آنہ فی روپیہ تک چندہ پہنچا ہے۔ یہ تدریجی ترقی اس بات کا ثبوت ہوتی ہے کہ جب سب کچھ قربان کرنے کا وقت آجائے اس وقت سب کچھ ہی قربان کیا جائے۔ اب سوال یہ ہے کہ جس قربانی کا بیرونی جماعتوں سے مطالبہ کیا جاتا ہے کیا اس میں قادیان والے بھی شریک ہیں اگر اس میں مرکزی جماعت شریک ہے تو پھر یہ شبہ غلط ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہی نظر آتا ہے کہ قادیان کی جماعت کا کثیر حصہ بیرونی جماعتوں سے قربانیوں میں بہت بڑھا ہوا ہے۔ یہاں کی جماعت میں چند لوگ ایسے بھی ہیں جو کمزور ہیں۔ مگر چند لوگوں کی کمزوری سے جماعت پر تو الزام نہیں آسکتا اکثر دفعہ بلحاظ جماعت کے یہاں کے دوست باہر کے دوستوں سے چندوں میں بڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور زیادہ قربانی کرتے ہیں لیکن اگر یہ مراد ہے کہ قادیان کے لوگ سب کچھ کیوں نہیں دے دیتے تو یہ شبہ بھی تب صحیح ہو سکتا تھا کہ ہم نے ان سے سب کچھ قربان کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ تو انہوں نے وہ مطالبہ پورا نہیں کیا۔ اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ ننگے پاؤں پھریں اور بالکل بھوکے پیاسے رہیں تو اس کا تو ہم نے ابھی تک نہ باہر کی جماعتوں سے نہ یہاں کی جماعتوں سے مطالبہ کیا ہے۔ جب یہ مطالبہ نہیں کیا گیا۔ تو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ قربانی نہیں کرتے۔ مطالبہ تو ابھی یہاں تک ہی کیا جاتا ہے کہ تم اپنے دلوں میں قربانیوں کے لئے تیار رہو۔ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ سب کچھ قربان کرنے کی ضرورت پڑے تو ہر ایک چیز قربان کر دیں گے۔ صحابہ نے بھی تو آخر ایک ہی دن میں سب کچھ قربان نہیں کر دیا تھا۔ ہاں ان معنوں میں سب کچھ قربان کر دیا تھا کہ وہ اپنے دلوں میں پوری قربانی کے لئے تیار رہتے تھے۔ اور تیاری کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس وقت وہ کر بھی دیں۔ بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہر وقت دل میں تیار رہیں کہ جس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے فوراً اس آواز پر لبیک کہہ سکیں۔ باقی میں نہیں جانتا کہ خدا کی طرف سے کس قسم کی قربانی کے لئے آواز آئے۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ بغیر عظیم الشان قربانیوں کے ہم عظیم الشان ترقی پر نہیں پہنچ سکتے۔ اور ان قربانیوں کے لئے لبیک کہنے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ دیکھو قربانی کے لئے کس قدر اعلیٰ مقام پر انسان کو پہنچنا پڑتا ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسا جرنیل اپنے بھائیوں کو ہی کہتا ہے کہ مجھے اپنے ہاتھ سے قربان کر دو۔ وہ دوست اور عزیز جو ہر وقت ارد گرد ان پر اپنی جانیں لڑا دینے کے لئے جمع رہتے تھے۔ ان سے وہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے اسلام کی خاطر قربان کر دو۔ جب تک یہ جذبہ نہ ہو۔ تب تک ہم کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ پس دنیا پر حقیقت اور سچائی قائم کرنے کے لئے ہر چیز کو قربان کر دو۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی توفیق دے کہ ہم اس عظیم الشان کام کو اٹھانے کے لئے کشادہ دلی اور وسیع حوصلہ کے ساتھ ہر وقت تیار رہیں۔ اور ہم ہر وقت آمادہ رہیں گو ہم پر موت بھی آجائے۔

(الفضل ۷/ جنوری ۱۹۲۷ء)

(۱) طبری جلد ۶ صفحہ ۳۱۸۲ تا ۳۱۸۸
(۲) یعنی اشتر نخعی (مرتب)
(۳) الامامۃ والسیاسۃ تالیف ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ ص ۷۸